قرآن مجید کی مکی سورتوں کے مضامین

مولانا سلطان احمد اصلاحی

اسلام، نزول قرآن کے اول دن سے مذہب کے وسیع تصور کا علمبردار اور علی الاطلاق جملہ معاملات زندگی میں خدائی مرضیات کے نفاذ کی وکالت کرتا رہا ہے۔ اس سلسلے میں اصول فطرت کی رعایت سے بتدریج ارتقا، اور موقعہ ومحل کی مناسبت کو تو ضرور ملحوظ رکھا گیا، چنانچہ دین کی نعمت عظمیٰ کی تکمیل نزول قرآن کی تیئس سالہ مدت کے ساتھ ہوئی۔ تیرہ سال مکہ کے اور دس سالہ مدنی زندگی کے بعد آخری شریعت اپنے نقطۂ کمال کو پہنچی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں ادوار میں فرق صرف اجمال اور تفصیل یا دوسرے لفظوں میں متن اور اس کی تشریح کا ہے۔ ورنہ تصور دین مکی زندگی میں بھی ویسا ہی ہمہ گیر اور ہمہ جہت تھا جیسا کہ وہ بعد میں پوری طرح ابھر کر سامنے آیا۔

آج بہت سے پڑھے لکھے لوگوں کو، جن میں اغیار ہی نہیں بہت سے اپنے بھی شریک ہیں، یہ غلط فہمی لاحق ہے کہ اسلام کا اجتماعی رخ مدنی زندگی کی پیداوار ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ اسلام کے دستور اساسی ــ قرآن ــ میں اجتماعیات کے باب کا اضافہ اس وقت ہوا جبکہ مسلمانوں کو ریاست کی آزادانہ فضا میسر ہو چکی تھی۔ یہی زمانہ تھا جب اسلام کے ماننے والے زندگی کے اجتماعی امور و مسائل سے آشنا ہوئے۔ اس سے پہلے کے تیرہ سالہ مکی دور میں نبیؐ اور پیروانِ نبیؐ کی دینی زندگی عقائد و عبادات اور مسلمہ معروفات تک محدود تھی۔ مکہ کے اندر قرآن کے جتنے حصے نازل ہوئے ان کا تعلق صاف طور پر انسان کی پرائیوٹ زندگی اور مذہب کے محدود تصور سے ہے۔ اس کا تقاضا ہے کہ ان ممالک اور علاقوں میں جہاں کے حالات اسلامی تاریخ کے مکی دور سے مشابہ ہیں، اسلام کے نام لیواؤں کو مذہب کے اسی محدود دائرے کا پابند ہونا چاہیے۔ دین کے اجتماعی پہلو اور مذہب کے وسیع تصور کی نسبت سے زبان بند رکھی جائے تا آنکہ دست غیب نمودار ہو۔ فضل خداوندی جوش میں آئے اور ریاست و سلطنت کے انعام کا تاج مسلمان امت کے سر پر رکھ دیا جائے۔ اس سے پہلے مذہب کے وسیع اور انقلابی تصور کی بات کرنا بے وقت کا راگ الاپنا اور لبا اوقات اپنے کو قبل از وقت خطرات اور ہلاکتوں کے منہ میں ڈال دینے کے مرادف ہے

لیکن یہ محض ایک سفسطہ اور صریح مغالطہ ہے جو کتاب اللہ کو سمجھ کر نہ پڑھنے کا نتیجہ ہے۔ ورنہ سچ یہ ہے کہ مدینہ کے اندر قرآن کے صفحات میں دین کا جو اجتماعی رخ سامنے آیا اور مذہب کے وسیع تصور کی جو نمود ہوئی اس کی بنیاد مکی زندگی میں پڑ چکی تھی۔ اور قرآن کی مکی سورتوں میں اس کی اساس استوار کر دی گئی تھی۔ یہی وجہ ہے جو امت کے علماء نے صراحت کی ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مکی و مدنی کی کسی تخصیص کے بغیر اپنی پوری زندگی میں جملہ معاملات و مسائل کے سلسلے میں جو فیصلے بھی کئے اور انفرادی زندگی کے چھوٹے سے چھوٹے مسئلہ سے لے کر اس کے بڑے سے بڑے مسائل سے آپ جس طرح عہدہ برآ ہوئے، ان سب کی بنیادیں، مکی و مدنی کے کسی فرق و امتیاز کے بغیر، قرآن حکیم کے اندر موجود تھیں۔ حضرت امام شافعیؒ کا مشہور قول ہے:

کل ما حکم به رسول الله	رسول اللہ علیہ وسلم نے (جملہ معاملات زندگی
صلی الله علیه وسلم فهو	سے متعلق) جو فیصلے بھی کیے وہ سب نتیجہ تھے اس
مما فهمه من القرآن[1]	کا جو آپ نے (کسی تحدید و تخصیص کے بغیر) قرآن
	سے سمجھا تھا۔

جس کا مطلب ہے کہ قرآن کے منصوصات سے آگے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پوری زندگی میں انفرادی و اجتماعی زندگی سے متعلق جو احکام و فرامین دیئے اور جو فیصلے بھی صادر کئے یہاں تک کہ وسیع اسلامی سلطنت کا کاروبار جس طرح چلایا، ان سب کا مآخذ مکی و مدنی کی کسی تخصیص کے بغیر کتاب اللہ میں موجود تھا۔ قرآن کی مدنی سورتوں میں اسلام کا اجتماعی پہلو اور اس کا وسیع و ہمہ گیر تصور پوری طرح نمایاں ہے، یہی حقیقت قرآن کی مکی سورتوں کے اندر بھی جلوہ گر ہے۔ فرق صرف اجمال اور تفصیل اور متن اور اس کی تشریح کا ہے۔ ورنہ ایک ہی تصویر ہے جو مکی اور مدنی ہر دو آئینوں سے ابھرتی ہے۔ ذیل میں ہم اسی نقطۂ نظر سے خاص طور پر مکی سورتوں کا مطالعہ کریں گے۔ اور ان کے اندر زندگی کے وسیع معاملات و مسائل سے متعلق پائی جانے والی تعلیمات کو قدرے تفصیل سے پیش کریں گے، جنھیں مذہب کے انقلابی اور ہمہ گیر اور ہمہ جہتی تصور کے خانہ ہی میں فٹ کیا جا سکتا ہے۔

سورۂ انعام اور سورۂ اعراف

سورۂ انعام کے مکی ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں۔ صحیح ترین روایتوں سے ثابت ہے کہ یہ پوری سورہ

---

[1] فتاویٰ ابن تیمیہ: ۱۳/۳۶۲، طبع جدید۔ نیز: الاتقان: ۲/۱۲۶۔ مطبوعہ ازہریہ مصر، طبعہ ثانیہ ۱۹۲۵ء

مکہ میں بیک دفعہ نازل ہوئی۔ جبکہ آپ سفر میں تھے اور حالت یہ تھی کہ فرشتوں کی عظیم جماعتیں زمین سے آسمان تک پرے پر پرے جمائے ہوئے تھیں[1] مصحف کی موجودہ ترتیب میں اس کے بعد سورۂ اعراف ہے جس کے مکی ہونے میں بھی کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ اگر ہم صرف انہی دونوں سورتوں کے مضامین پر غور کرلیں تو یہ حقیقت مبرہن ہوکر سامنے آجاتی ہے کہ اسلام کا دینداری اور مذہبیت کا تصور مکہ کے اندر بھی ویسا ہی وسیع اور ہمہ گیر تھا جیسا کہ بعد کی مدنی زندگی کے اندر اس کا تکمیلی طور پر ظہور ہوا۔ یہاں تک کہ شریعت کے قانونی نظام کی تفصیلات کی تفہیم کا باب بھی اسی زمانہ میں کھل چکا تھا۔ معلوم ہے کہ دنیا کے ہر نظام فکر و عمل کی طرح شرک و بت پرستی بھی اپنا ایک مستقل نظام رکھتی ہے۔ اور پوری انسانی زندگی پر اپنے منحوس اثرات مرتب کرتی ہے۔ اس فلسفۂ زندگی نے عرب کے سادہ لوح عوام کو محض بعض رسوم و بدعات اور سماجی خرافات و توہمات کے دام ہی میں گرفتار نہیں کر رکھا تھا جس کے نتیجے میں یہ لوگ اپنی کھیتیوں اور مویشیوں کا ایک حصہ اپنے معبودان باطل کے لیے خاص کردیتے تھے۔ بہت سے جانور تھے جن کا کھانا کچھ لوگوں کے لیے تو جائز تھا اور کچھ کے لیے ناجائز، اسی طرح ان کی سواری کو بھی وہ اپنے اوپر حرام کرلیتے تھے۔ اسی طرح حلال و حرام کے سلسلے میں یہ لوگ اور بھی طرح طرح کی بے اعتدالیوں کے شکار تھے جن کی اصلاح کی گئی، قرآن نے بتایا کہ ان کی حیات اجتماعی کا یہ سانحہ بھی ان کی اسی بت پرستی کا کرشمہ ہے کہ یہ اپنے ہی جگر گوشوں کو پوری بیدردی کے ساتھ لقمۂ اجل بنا ڈالتے ہیں[2]۔ اس کے بعد قرآن نے آخری تکمیلی شریعت کی حلال و حرام کردہ چیزوں کی جو تفصیل بیان کی ہے اس نے حیات اجتماعی کے وسیع ترین دائروں کو اپنے اندر سمیٹ لیا ہے۔ چنانچہ ذہنی اور فکری تطہیر کے ساتھ دیوانی اور فوجداری قانون کی اہم ترین دفعات بھی اس کے اندر اسی طرح شامل ہیں۔

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ	(اے نبی لوگوں سے) کہو کہ آؤ میں پڑھ کر بتاؤں کہ
عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا	تم پر تمہارے رب نے کن چیزوں کو حرام ٹھہرایا
وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَلَا تَقْتُلُوْٓا	ہے۔ یہ کہ اس کے ساتھ کسی کو ساجھی نہ ٹھہراؤ
اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ	اور ماں باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔ اور اپنی
نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ وَلَا تَقْرَبُوا	اولاد کو جان سے نہ مارو افلاس کے ڈر سے
الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا	ہم تمہیں بھی روزی دیتے ہیں اور انھیں بھی (دیں گے)

---

[1] تفسیر ابن کثیر: ۲/۱۲۲ [2] انعام: ۱۳۶ تا ۱۵۰۔ نیز آیات: ۱۱۹—۱۲۱

بَطَنَ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِکُمْ وَصّٰکُمْ بِهٖ لَعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ ○ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْیَتِیْمِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ حَتّٰی یَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَاَوْفُوا الْکَیْلَ وَ الْمِیْزَانَ بِالْقِسْطِ لَا نُکَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ کَانَ ذَا قُرْبٰی وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ؕ ذٰلِکُمْ وَصّٰکُمْ بِهٖ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ ○ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِکُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ ذٰلِکُمْ وَصّٰکُمْ بِهٖ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ○

(انعام: ۱۵۱–۱۵۳)

اور بے حیائی کے کاموں کے پاس نہ جاؤ خواہ وہ کھلے ہوں یا چھپے۔ اور اس جان کو قتل نہ کرو جسے اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے سوائے حق کے۔ یہ ہے جس کی اس نے ...... تم کو تلقین کی ہے تاکہ تم سمجھو۔ اور یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ سوائے اس طریقہ کے جو بہتر سے بہتر ہو۔ یہاں تک کہ وہ اپنی سمجھ کی عمر کو پہنچ جائے (تو اس کا مال اس کے حوالہ کر دو) اور ناپ اور تول پورا پورا کرو انصاف کے ساتھ۔ ہم کسی جان پر بس اس کی طاقت بھر ہی بوجھ ڈالتے ہیں۔ اور جب تم بولو تو ٹھیک بولو خواہ متعلق شخص رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ اور اللہ سے ٹھہرائے ہوئے عہد کو پورا کرو۔ یہ ہے جس کی اس نے ...... تم کو تلقین کی ہے تاکہ تم یاد دہانی حاصل کرو۔ اور یہ میرا راستہ ہے سیدھا سو تم (ٹھیک ٹھیک) اس کی پیروی اور دوسری پگڈنڈیوں کو نہ پکڑو جو تم کو اس کے (اللہ کے) راستہ سے ہٹا کر جدا جدا ٹولیوں میں کر دیں۔ یہ ہے جس کی اس نے تم کو تلقین کی ہے۔ تاکہ تم (دنیا میں اس سے) ڈر کر رہو۔

سورۂ اسراء جو جمہور مفسرین کے نزدیک پوری کی پوری مکّی ہے، یہاں تک کہ بعض لوگوں نے اس پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے[1]، اور جیسا کہ روایتوں سے ثابت ہے اور اس کے مضامین سے بھی

---

[1] آلوسی: روح المعانی: ۲/۱۵۔ صاحبِ جلالین نے اس سورہ کو مکی مانتے ہوئے اس کی آیات ۲۶، ۳۲، ۵۷ اور ۷۳ تا ۸۰ کو مدنی قرار دیا ہے۔ تفسیر الجلالین ۲/۳۶۲۔ جبکہ صاحب روح المعانی نے اس پر بعض روایتوں کا اضافہ کیا ہے۔
(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ ہجرت نبویؐ سے کچھ عرصہ پہلے کی زندگی کے آخری دور میں نازل ہوئی[1] اس کے اندر سورۂ انعام کی مذکورہ وسیع معاملات زندگی سے تعلق رکھنے والی آیات کی مزید تفصیل بیان ہوئی ہے۔ اس سے بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مکہ کے اندر اسلام کا دستورِ اساسی — قرآن — لوگوں کے سامنے مذہبیت و دینداری کا جو تصور پیش کر رہا تھا، اس کا دائرہ اثر کس قدر پھیلا ہوا تھا۔ اور کس طرح اس کے اندر حیات اجتماعی کے مختلف و متنوع پہلوؤں سے متعلق تعلیمات و ہدایات شامل تھیں: سورۂ اسراء کی ان آیات کو بجا طور پر آئندہ مدینہ میں قائم ہونے والی اسلامی ریاست کا اولین منشور[2] کہا گیا ہے۔

وَقَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ
اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا
يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ
اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا
تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا
كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ
الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ
ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝
...... وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ
وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا
تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ۝ ...... وَلَا

اور تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ لوگو اگر
تم بندگی (عبادت) کرو تو بس اس کی اور
ماں باپ کے ساتھ بہتر سلوک کرو۔ اگر تمہارے
پاس ان میں سے کوئی ایک یا دونوں کے دونوں
بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جائیں تو انھیں اف نہ کہو
نہ انھیں جھڑکو بلکہ ان سے شریفانہ بات کہو۔ اور
ان کے لیے مہر بھرے اطاعت کے بازو جھکا دو
اور عرض گزار ہو کہ پروردگار! ان پر مہربانی کر جیسا
کہ انھوں نے (سراپا مہر و محبت بن کر) بچپن میں میری
پرورش۔ اور رشتہ دار کو اس کا حق دو اور مسکین
کو اور مسافر کو اور بے لگام فضول خرچی میں نہ پڑو۔ اور

(بقیہ حاشیہ گذشتہ) روح المعانی، حوالہ سابق۔ لیکن سچ یہ ہے کہ اس سلسلے کی تمام روایتیں جن کی بنیاد پر انھیں مدنی کہا گیا ہے سند کے اعتبار سے کمزور اور تناقض کا شکار ہیں۔ جیسا کہ خود سیوطی نے 'اسباب النزول' میں آیات ۲۶، ۷۳ اور ۷۶ کے تحت اس کی صراحت کی ہے۔ 'لباب النقول فی اسباب النزول، علی ہامش الجلالین/ ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۲۰ تا ۵۲۲۔ طبع جدید۔ حافظ ابن کثیر نے آیت ۲۶ کے تحت اس کی تفصیل کی ہے۔ تفسیر ابن کثیر: ۳/ ۳۶ سیوطی نے آیت مذکور کے تحت اسی کا حوالہ دیا ہے۔ یہاں سورۂ اسراء کی آیات زیر بحث میں صرف آیت ۳۲ ہے جسے صاحب جلالین نے، جیسا کہ حوالہ گزرا، مدنی بتایا ہے۔ لیکن اس آیت کا مدنی قرار دینا عجیب ہے۔ اس لیے کہ مکہ کے اندر زنا کی حرمت اس کے علاوہ دوسری متعدد آیات سے ثابت ہے۔ سورۂ انعام کی مذکورہ آیات میں بھی اس کا ذکر آچکا ہے۔ نیز فرقان: ۶۸، مومنون: ۵۔۷ اور معارج: ۲۹۔۳۱ وغیرہ میں بھی اس کی حرمت کا بیان موجود ہے۔ جنھیں تمام مفسرین مکی سورتیں تسلیم کرتے ہیں۔ [1] ابن کثیر: ۳/ ۲۲، ۵۸ مصر ۱۹۳۷ء [2] تفہیم القرآن ۲/ ۵۸۵۔ دہلی طبع ہفتم۔

تَقْتُلُوٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۚ
نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۚ اِنَّ قَتْلَهُمْ
كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ○ وَلَا تَقْرَبُوا
الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۚ وَسَآءَ
سَبِيْلًا ○ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ
اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ
اَشُدَّهٗ ۠ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ
الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ○ وَاَوْفُوا
الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ
الْمُسْتَقِيْمِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ
وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ○ وَلَا تَقْفُ
مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۚ اِنَّ السَّمْعَ
وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ
كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ○ وَلَا
تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ
لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ
تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ○ كُلُّ
ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ
رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ○

(اسراء: ۲۳ - ۳۸)

اپنی اولاد کو جان سے نہ مارو فاقہ کے ڈر سے ہم انھیں روزی دیں گے اور تمہیں تو دیتے ہی ہیں۔ ان کا جان سے مارنا بڑی غلطی ہے۔ اور بدکاری کے پاس نہ پھٹکو یہ کھلی بے حیائی اور بہت برا راستہ ہے اور اس جان کو قتل نہ کرو جسے اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے سوائے حق کے اور جو کوئی قتل کیا جائے نشانۂ ظلم بنا کر تو ہم نے اس کے ولی کے لیے (قصاص کا) اختیار رکھا ہے سو وہ قتل میں حد سے نہ بڑھے۔ ضرور اس کی مدد ہونی ہے۔ اور تم یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ سوائے اس طریقہ کے جو بہتر سے بہتر ہو یہاں تک کہ وہ اپنی سمجھ کی عمر کو پہنچ جائے (تو اس کا مال اس کے حوالہ کر دو) اور عہد کو پورا کرو۔ ضرور عہد کی پرسش ہونی ہے۔ اور ناپ کو پورا کرو جب تم ناپو۔ اور ٹھیک تول تولو۔ یہی زیادہ اچھا اور انجام کار کے لحاظ سے زیادہ بہتر ہے۔ اور زبان سے وہ بات نہ نکالو جس کا تمہیں ٹھیک پتہ نہ ہو۔ ضرور کان، آنکھ اور دل ان میں ہر ایک کی بابت پرسش ہونی ہے۔ اور زمین میں اکڑ کر نہ چلو۔ ہرگز (ایسا کرکے) تم زمین میں دراڑ نہ ڈال دو گے اور نہ لمبائی میں پہاڑوں کی برابری میں پہنچ جاؤ گے۔ یہ تمام چیزیں جو (سب کی سب) بری ہیں تیرے رب کے نزدیک بہت ناپسندیدہ ہیں۔

سورۂ فرقان میں اہل ایمان کی مطلوبہ اوصاف وخصوصیات کے بیان میں بھی ہمیں اسلام کے اسی تصور مذہب کی صدا گونجتی دکھائی دیتی ہے۔ (ملاحظہ ہو آیات ۶۳ تا ۷۶)[1]

---

[1] سورۂ فرقان جمہور مفسرین کے نزدیک پوری مکی ہے، روح المعانی: ۱۸/ ۲۲۰۔ جلالین میں اس کی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اصولی ہدایات

عقائد و عبادات اور احکام و معاملات سے متعلق وسیع تعلیمات کے علاوہ ان سورتوں کے اندر بھی وہ اصولی ہدایات ملتی ہیں جو انسان کو اپنی پوری زندگی میں اللہ کے لیے یکسو ہو جانے کا مطالبہ کرتی ہیں۔ ذہنی و فکری یکسوئی کے ساتھ مکمل عملی یکسوئی یہاں تک کہ جملہ معاملاتِ حیات میں صرف اللہ کی مرجعیت قائم ہو جائے۔ اور انفرادی و اجتماعی تمام امور و مسائل میں اس کی علی الاطلاق حاکمیت تسلیم کرلی جائے۔

اللہ کی حاکمیت

اس سلسلے میں ان دو سورتوں کا اہم ترین مطالبہ یہی ہے کہ قرآن کی صورت میں آخری تکمیلی شریعت کے آجانے کے بعد انفرادی زندگی کے چھوٹے سے چھوٹے مسئلے سے لے کر اجتماعیت کے بڑے سے بڑے مسائل تک اللہ اور اس کی نازل کردہ کتاب سے ہٹ کر نظر کسی اور طرف اٹھنے نہ پائے۔ قرآن کے آجانے کے بعد زندگی کے تمام معاملات کا فیصلہ اللہ کی ایک ہی بارگاہ سے ہوگا۔ قرآن کے اجمال کی تفصیل اس کے لانے والے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قول اور عمل سے کریں گے۔ اور کسی بھی انسان کے لیے جو فوز و فلاح کا طالب اور جسے اپنی صحیح حیثیت کا شعور ہو اس دائرے کا لانگنا جائز نہ ہوگا۔ اس لیے کہ اس کتاب کے اندر اصولی طور پر جملہ معاملات زندگی کی تفصیل موجود ہے۔ آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے صاف طور پر اعلان کر دینے کا حکم ہوا:

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ — کیا پس میں اللہ کے سوا کسی اور کی حاکمیت چاہوں
الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ — جبکہ اس نے تم تک کتاب (قرآن) اتارا ہے (جملہ
مُفَصَّلًا ۭ وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ — معاملات زندگی سے متعلق) تفصیل کے ساتھ۔

(بقیہ گذشتہ حاشیہ) تین آیات ۶۸، ۶۹، ۷۰ جن میں زنا اور قتل نفس کی حرمت کا تذکرہ ہے، انھیں مدنی کہا گیا ہے۔ تفسیر جلالین /۴۷۰۔ لیکن اس کے شانِ نزول میں سیوطی نے صراحت کی ہے کہ اس کا تعلق مکی دور سے ہے۔ لباب النقول فی اسباب النزول علی ہامش الجلالین /۶۰۶۔ طبع جدید۔ روایات سے ہٹ کر بھی ان آیتوں کا مدنی قرار دینا کچھ وزن دار نہیں۔ اس لیے کہ یہ مضمون جیسا کہ تفصیل گزر چکی ہے، دوسری متفق علیہ مکی سورتوں اور آیتوں میں مذکور ہے۔

يَعۡلَمُوۡنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنۡ رَّبِّكَ بِالۡحَقِّ فَلَا تَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡمُمۡتَرِيۡنَ ۝ (انعام : ۱۱۴)	اور وہ لوگ جنھیں ہم نے (اس سے پہلے) کتاب دی ہے وہ جانتے ہیں کہ یہ تمہارے رب کی طرف حق کے ساتھ اتارا گیا ہے۔ سو تم ہرگز ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہو۔

دنیا و آخرت کی فلاح کے لیے انسان کے لیے دو چیزیں ضروری ہیں کہ وہ اپنی پوری زندگی میں راستی اور انصاف کے راستے پر لگ جائے۔ اس کا معاملہ اپنے اللہ کے ساتھ سچا ہو اور دنیا کے دوسرے انسانوں کے ساتھ وہ اسی سچائی کے راستے پر عمل کرنے والا ہو۔ کفر و شرک کی روش سے بچ کر وہ اپنے آپ کو ظلم و ناانصافی سے بچالے۔ دوسرے تمام بندگان خدا کے ساتھ ظلم و ناانصافی سے دامن کش رہے۔ اور بے لاگ طریقے پر عدل و انصاف کی روش پر گامزن ہو۔ آگے فرمایا کہ کتاب اللہ ان ہر دو پہلوؤں سے آخری طور پر نقطۂ کمال کو پہنچی ہوئی ہے۔ جس سے آگے کی کسی چیز کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ پس ضروری ہے کہ اسے مضبوط پکڑ کر اپنی پوری زندگی میں اس کے اتارنے والے کی بالادستی تسلیم کرلی جائے۔ نیز یہ کہ اس سے ہٹ کر دین و دنیا کے کسی معاملے میں دوسرے انسانوں کی پیروی نہ اختیار کی جائے۔ جن کا کل اثاثہ حیات اور فکر و نظر کا تمام تر سرمایہ محض ظن و گمان ہے، اسی پر ان کی انفرادی و اجتماعی زندگی کی پوری عمارت کھڑی ہے۔

وَتَمَّتۡ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدۡقًا وَّعَدۡلًا ؕ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ۝ وَاِنۡ تُطِعۡ اَكۡثَرَ مَنۡ فِى الۡاَرۡضِ يُضِلُّوۡكَ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ؕ اِنۡ يَّتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنۡ هُمۡ اِلَّا يَخۡرُصُوۡنَ ۝ (آیات : ۱۱۵-۱۱۶)	اور تیرے رب کی بات نقطۂ کمال کو پہنچی ہوئی ہے سچائی اور انصاف میں۔ اس کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں۔ اور وہ بڑا سننے والا، جاننے والا ہے۔ اور اگر تم زمین میں بہتوں کی بات مانوگے تو وہ تمہیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دیں گے۔ یہ تو محض ظن و گمان کی پیروی کرتے ہیں۔ اور محض اٹکل پچو سے کام لیتے ہیں۔

یہی بات دوسرے موقعہ پر مزید صراحت سے کہی گئی ہے کہ انفرادی و اجتماعی زندگی کے جس دائرے میں بھی تمہارے اندر کوئی اختلاف برپا ہو، چاہئے کہ اس کے فیصلے کے لیے اللہ کی طرف پلٹا جائے۔ زندگی کے تمام معاملات میں بلاشرکت غیرے صرف اسی کا حکم چلنا چاہیے۔ زندگی کے چھوٹے بڑے ہر مسئلہ میں اس کا فیصلہ آخری اور اس کی مرضی ہر ایک پر مقدم ہے۔

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبِّي عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ○ (شوریٰ : ۱۰)	اور (جملہ معاملات زندگی سے متعلق) جس کسی چیز میں بھی تمہارا باہم اختلاف ہو تو اس کا فیصلہ اللہ کے حوالہ ہے۔ یہی اللہ میرا رب ہے اسی پر میں بھروسہ کرتا ہوں اور اسی کی طرف میں رجوع ہوتا ہوں۔

جملہ معاملات زندگی میں قرآن کی پیروی

اس کے ساتھ ہی ان سورتوں میں دوٹوک لفظوں میں یہ بات کہہ دی گئی ہے کہ قرآن کی صورت میں مکمل نظام زندگی کے آجانے کے بعد آدمی کے لیے اپنی پوری زندگی میں اس کے راستے سے ہٹ کر کسی دوسرے طریقے کے اپنانے کی کوئی گنجائش نہیں۔ انفرادی واجتماعی زندگی کے جملہ معاملات میں اب اسی کتاب کو فیصل ماننا ہوگا۔ عقائد وعبادت سے لے کر اخلاق ومعاملات معاشرت ومعیشت، تہذیب وتمدن، سیاست وحکومت کے تمام میدانوں میں اس کی دکھائی ہوئی روشنی ہی قابل اعتماد اور خدا ورسول کی بارگاہ میں قابل قبول ہوگی۔ اس سے ہٹ کر یا اس سے کٹ کر جس پگڈنڈی کو بھی آدمی پکڑے گا، وہ دنیا وآخرت ہر ایک میں اسے تباہی کے کھڈ میں گرائے گی۔ اور اس کے لیے ہمہ جہتی نقصان اور خسارے کی موجب ہوگی۔ سورۂ اعراف کی ابتدا ہی میں فرمایا:

اتَّبِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ قَلِيلًا مَا تَذَكَّرُونَ ○ (آیت : ۳)	پیروی کرو (جملہ معاملات زندگی سے متعلق) اس چیز (قرآن) کی جو تم تک تمہارے رب کی طرف سے اتاری گئی ہے۔ اور اسے چھوڑ کر دوسرے کارسازوں کے پیچھے نہ چلو۔ تم بہت کم دھیان دیتے ہو۔

آخرت سے پہلے دنیا کے اندر بھی اس روش کا انجام کچھ اچھا نہیں۔ چنانچہ اس کے فوراً بعد ارشاد ہوا:۔

وَكَمْ مِنْ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا فَجَاءَهَا بَأْسُنَا بَيَاتًا أَوْ هُمْ قَائِلُونَ ○ فَمَا كَانَ دَعْوَاهُمْ إِذْ جَاءَهُمْ بَأْسُنَا إِلَّا أَنْ قَالُوا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ○ (آیات ۴-۵)	اور کتنی ہی بستیاں ہیں جنھیں ہم نے تباہ کردیا سو ان پر ہمارا عذاب آیا رات کے وقت یا جبکہ اس کے لوگ قیلولہ میں تھے۔ سو جب ان پر ہمارا عذاب آیا تو ان کی پکار اس کے سوا دوسری نہ رہی کہ ہاں ہم ضرور ظلم کے راستہ پر چلنے والے تھے۔

دوسرے مواقع پر بھی قرآن دنیا کے تمام انسانوں کو اسی کی تاکید کرتا نظر آتا ہے کہ انفرادی و اجتماعی زندگی کے تمام معاملات اور جملہ امور و مسائل میں کسی تحدید و تخصیص کے بغیر اس کے دکھائے ہوئے راستے کی پیروی کی جائے۔ اس طریقے کو چھوڑ کر دوسری دنیا سے پہلے اس دنیا کے اندر بھی آدمی اپنے کو عذاب الٰہی کی گرفت سے بچانے میں کامیاب نہیں ہو سکتا:

وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ	اور پیروی کرو (جملہ معاملات زندگی سے متعلق)
مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ	اس بہترین چیز (قرآن) کی جو تم تک تمہارے رب
الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا	کی طرف سے اتاری گئی ہے۔ اس سے پہلے کہ تم
تَشْعُرُوْنَ ٥ (زمر: ۵۵)	تک عذاب آئے اچانک اور تم کو کچھ پتہ نہ ہو۔

ہر طرح کے گناہوں سے اجتناب

ایک بات ان سورتوں میں یہ بھی کہی گئی ہے کہ آدمی کو اپنی پوری زندگی میں ہر طرح کے گناہوں سے بچ کر رہنا ضروری ہے یہ اسی کا دوسرا رخ ہے۔ دین کیا ہے؟ دو چیزوں کا مجموعہ، اللہ کے اوامر کی پابندی اور اس کی منہیات سے اجتناب۔ اللہ نے جن باتوں کے کرنے کا حکم دیا ہے آدمی اپنی پوری زندگی میں ان پر عمل پیرا ہو۔ اور جن چیزوں سے اس نے منع کیا ہے زندگی کی آخری سانس تک ان سے پوری طرح دامن کش رہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہی پسندیدہ طریقۂ زندگی ہے جس کی پیروی کر کے آدمی دنیا و آخرت کی نعمتوں سے اپنے کو مالا مال کر سکتا ہے۔ ان اوامر و نواہی کی تفصیل اس سے پہلے کسی قدر گزری۔ سورۂ انعام میں منہیات کے سلسلے میں یہ اصولی ہدایت مذکور ہوئی:

وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ	اور چھوڑ دو ظاہری اور باطنی
اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ	ہر طرح کے گناہ۔ ضرور جو لوگ گناہ کی کمائی کرتے
سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ٥	ہیں انھیں جلد بدلہ ملے گا اس چیز کا جس کا یہ ارتکاب
(انعام: ۱۲۰)	کرتے رہے ہیں۔

یہ آیت کریمہ شریعت کی بیان کردہ جملہ قسم کی برائیوں اور گناہوں کو حاوی ہے۔ اس کی تفسیر میں سلف سے بہت سے اقوال مروی ہیں۔ مجاہد کہتے ہیں کہ اس سے ہر وہ برائی اور گناہ مراد ہے جو چھپے یا کھلے کیا جائے۔ انہی سے دوسری روایت ہے کہ اس سے مراد ہر وہ (برا) کام ہے جس کے کرنے کا آدمی دل میں نیت اور ارادہ کرے۔ قتادہ کہتے ہیں اس سے مراد گناہ اور برائی کے کام ہیں خواہ وہ چھپے ہوں یا کھلے،

تھوڑے ہوں یا زیادہ۔ سدی کہتے ہیں کہ ظاہرالاثم وباطنہ' میں ظاہر اثم (ظاہر گناہ) سے مراد ہے جھنڈے دار (ذوات الرایات) پیشہ والیوں کے ساتھ زنا اور اس کے باطن سے مراد ہے دوست کی ہوئی، ساتھی بنائی ہوئی اور آشنائی والی عورتوں کے ساتھ اس فعل بد کا ارتکاب۔ عکرمہ کا کہنا ہے کہ ظاہر اثم (ظاہر گناہ) سے مراد محرمات کے ساتھ نکاح ہے۔ یعنی وہ قریب ترین رشتے جنھیں شریعت نے رشتۂ ازدواج میں لانا حرام ٹھہرایا ہے۔ مفسرین عظام کے ان جملہ اقوال کو نقل کرنے کے بعد حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ:

والصحیح أن الآیة عامة فی ذلك كله وهی كقوله تعالیٰ (قل انما حرم ربی الفواحش ما ظهر منها وما بطن) الآیہ [1]	صحیح بات یہ ہے کہ یہ آیت ان تمام ہی چیزوں کے سلسلے میں عام ہے۔ اور یہ بالکل وہی بات ہے جو دوسرے موقع پر اللہ تعالیٰ نے اس طرح کہی ہے کہ: (اے نبیؐ) کہہ دو کہ میرے رب نے تو بس بدکاری و بے حیائی کی تمام باتوں کو حرام ٹھہرایا ہے خواہ وہ کھلی (ظاہری) ہوں یا چھپی (باطنی) الخ

سورۂ اعراف میں بدی اور بے حیائی کے ان کاموں میں چند دوسری دفعات کا اضافہ ہے:

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (اعراف: ۳۳)	(اے نبیؐ) کہہ دو کہ میرے رب نے تو بس بدی و بے حیائی کی تمام باتوں کو حرام ٹھہرایا ہے خواہ وہ کھلی ہوں یا چھپی اور گناہ کو اور ناحق سرکشی کو اور یہ کہ تم اللہ کے ساتھ ساجھی ٹھہراؤ اس چیز کو جس کے لیے اس نے کوئی دلیل نہیں اتاری اور یہ کہ تم اللہ پر کہو وہ بات جسے تم جانتے نہیں ہو۔

آیت بالا کی طرح اس آیت کریمہ نے بھی کھلے اور چھپے بدی اور بے حیائی کے کاموں میں ہر طرح کی برائیوں اور بداطواریوں کا احاطہ کرلیا ہے۔ اس کے بعد اس میں علی الاطلاق گناہ 'اثم' کے بعد، حق کے بغیر بغاوت و سرکشی 'البغی بغیر الحق' کی دفعہ کا اضافہ ہے۔ جس کی تفسیر کرتے ہوئے امام رازیؒ نے کہا ہے:

البغی لا یستعمل الا فی الاقدام علی الغیر نفسا اومالا اوعرضا	'بغی' کا استعمال کسی دوسرے شخص پر دست درازی کے لیے ہی ہوتا ہے خواہ یہ دست درازی

---

[1] تفسیر ابن کثیر: ۲/ ۱۶۸

وایضا قد یراد بالبغی الخروج علی سلطان الوقت [1]	اس کی جان پر، یا مال پر یا عزت آبرو پر۔ نیز بسا اوقات 'بغی' سے مراد بادشاہ وقت کے خلاف بغاوت (اور اس کے اقتدار کو ختم کرنا) ہوتا ہے۔

جس کا مطلب ہے کہ مکہ کے اندر مسلمانوں کو جو تعلیمات دی گئیں، ان میں ان کے لیے بعد کے مراحل میں پیش آنے والے حکومت و سیاست کے نازک ترین مسائل کی تعلیم اور تربیت کا سامان بھی موجود تھا۔

عدل وقسط کا حکم

اگر سوال کیا جائے کہ زندگی کی وہ اعلیٰ ترین قدر کیا ہے جو دنیا نے انسانیت کو امن واطمینان کا گہوارہ بناتی اور جس کی بدولت آدمی دنیا و آخرت کی سعادتوں سے ہمکنار ہوتا ہے، تو اس کا ایک ہی جواب ہے کہ آدمی اپنی پوری زندگی میں عدل وقسط کی روش پر گامزن ہو جائے اور اس کا کوئی قدم اس جادۂ مستقیم سے ہٹنے نہ پائے۔ آسمانی شریعتوں کی اس شاہ کلید کا حکم بھی ہمیں اسی سورہ میں مل جاتا ہے۔

قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ وَاَقِیْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ○ (اعراف : ۲۹)	(اے نبی) کہہ دو کہ میرے رب نے مجھے حق و انصاف (قسط) کا حکم دیا ہے۔ اور اس کا کہ تم سب ہر نماز کے وقت اپنا رخ (اللہ کے لیے) سیدھا کر لو۔ اور اس کو پکارو اطاعت کو اس کے لیے خالص کرتے ہوئے۔ جیسا کہ اس نے تم کو شروع میں پیدا کیا ویسا ہی تم پلٹو گے۔

عدل وقسط کا یہ حکم اپنے اندر کتنی وسعت اور عموم رکھتا ہے، اس کے لیے ہم صرف ان آیتوں اور ان کا ترجمہ نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں جن میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے :

وَیَسْتَفْتُوْنَكَ فِی النِّسَآءِ ؕ قُلِ اللّٰهُ یُفْتِیْكُمْ فِیْهِنَّ ۙ وَمَا یُتْلٰی فِی الْكِتٰبِ فِیْ یَتٰمَی النِّسَآءِ الّٰتِیْ	اور (اے نبی) لوگ تم سے عورتوں کے بارے میں مسئلہ پوچھتے ہیں تو کہہ دو کہ اللہ ان کے سلسلے میں تم کو مسئلہ بتاتا ہے۔ ساتھ ہی اسے بھی یاد رکھو

---

[1] مفاتیح الغیب : [illegible]

لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَ
تَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ
وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ
وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ؕ
وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ
كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ۝

(نساء : ۱۲۷)

جو تم پر کتاب میں ان عورتوں کے یتیم بچوں کے
سلسلے میں پڑھا جاتا رہا ہے جنھیں تم وہ (مہر وغیرہ)
نہیں دیتے ہو جو ان کے لیے فرض رکھا گیا ہے۔
مزید براں تم کتراتے ہو اس سے کہ انھیں اپنے
نکاح میں لاؤ، اور کچلے ہوئے بچوں کے سلسلے
میں اور یہ کہ تم یتیموں کے لیے حق وانصاف (قسط)
دلانے کے لیے اٹھ کھڑے ہو۔ اور تم بھلائی کا جو
کام بھی کرو گے تو اللہ کو اس کا خوب پتہ ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ
بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى
اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَ
الْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ
فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۫ فَلَا
تَتَّبِعُوا الْهَوٰۤى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ
وَاِنْ تَلْوٗۤا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ
اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝

(نساء : ۱۳۵)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو اٹھ کھڑے ہونے والے
بن جاؤ حق وانصاف (قسط) دلانے کو اللہ کے
لیے گواہی دینے والے بن کر خواہ یہ (گواہی)
تمہاری اپنی ذات یا ماں باپ اور رشتہ داروں
کے خلاف ہی کیوں نہ پڑ رہی ہو۔ متعلق شخص
جو بھی مالدار یا محتاج ہو تو اللہ ان میں ہر ایک کا
سب سے بڑھ کر خیال رکھنے والا ہے۔ سو تم خواہش
نفس کی پیروی نہ کرو جس سے کہ عدل وانصاف
سے کترا جاؤ۔ اور اگر تم زبان پھیرو اور (حق سے)
منہ موڑو گے تو ضرور اللہ خبر رکھنے والا ہے اس
کی جو تم کرتے ہو۔

اسی طرح سورۂ مائدہ میں ارشاد ہوا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا
قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ؗ
وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ
عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۫
هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ؗ وَاتَّقُوا

اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کے لیے کھڑے
ہونے والے بنو حق وانصاف (قسط) کی گواہی
دیتے ہوئے۔ اور کسی قوم کی دشمنی تم کو اس کا قصوروار
نہ بننے دے کہ تم عدل وانصاف سے کام نہ لو۔
(ہر حال میں) عدل وانصاف سے کام لو یہی

اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیۡرٌۢ بِمَا
تَعۡمَلُوۡنَ ○
(آیت: ۸)

خوفِ خدا سے زیادہ قریب ہے ۔اور اللہ
سے ڈرو۔ ضرور اللہ پتہ رکھنے والا ہے اس
کا جو تم کرتے ہو۔

سَمّٰعُوۡنَ لِلۡکَذِبِ اَکّٰلُوۡنَ لِلسُّحۡتِ ؕ
فَاِنۡ جَآءُوۡکَ فَاحۡکُمۡ بَیۡنَہُمۡ
اَوۡ اَعۡرِضۡ عَنۡہُمۡ ۚ وَ اِنۡ تُعۡرِضۡ
عَنۡہُمۡ فَلَنۡ یَّضُرُّوۡکَ شَیۡئًا ؕ وَ
اِنۡ حَکَمۡتَ فَاحۡکُمۡ بَیۡنَہُمۡ
بِالۡقِسۡطِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ
الۡمُقۡسِطِیۡنَ ○
(آیت: ۴۲)

(نفاق زدہ اہل کتاب) جھوٹ کے لیے ہر وقت
کان کھڑا رکھنے والے، نری حرام کھانے والے
سو (اے نبیؐ) اگر یہ لوگ تمہارے پاس آئیں
تو تم جو چاہو ان کے درمیان فیصلہ کرو یا ان سے
رخ پھیر لو اور اگر تم ان سے رخ پھیر لو تو ہرگز یہ
تمہارا کچھ نقصان نہ کرسکیں گے۔ لیکن اگر تم فیصلہ
کرو تو ان کے درمیان حق وانصاف (قسط) کے ساتھ
فیصلہ کرو۔ ضرور اللہ حق وانصاف سے کام لینے والوں کو پسند کرتا ہے

زندگی میں جاری اس عدل وقسط کا نمایاں ترین مظہر ناپ اور تول کے پیمانے ہیں کہ ان میں کسی قسم کے کھوٹ اور کمی کو روا نہ رکھا جائے۔ جو لوگ روپئے دو روپئے کے معاملہ میں اس انصاف کو نبھا نہ سکیں، اس سے بڑے معاملات میں ان سے اس کی کیا توقع کی جا سکتی ہے۔ قرآن زندگی میں عدل وقسط کی کارفرمائی کا حکم دیتے ہوئے، خاص اس دائرے کی نشاندہی کو بھی ضروری خیال کرتا ہے۔ سورۂ انعام کی حسب ذیل آیت کریمہ ملاحظہ ہو۔

وَ اَوۡفُوا الۡکَیۡلَ وَ الۡمِیۡزَانَ بِالۡقِسۡطِ ۚ
لَا نُکَلِّفُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَہَا ۚ وَ اِذَا
قُلۡتُمۡ فَاعۡدِلُوۡا وَ لَوۡ کَانَ ذَا قُرۡبٰی ۚ
وَ بِعَہۡدِ اللّٰہِ اَوۡفُوۡا ؕ ذٰلِکُمۡ وَصّٰکُمۡ
بِہٖ لَعَلَّکُمۡ تَذَکَّرُوۡنَ ○
(آیت: ۱۵۲)

اور ناپ اور تول کو پورا کرو انصاف (قسط)
سے۔ ہم ہر جان پر بس اس کی طاقت بھر ہی بوجھ
ڈالتے ہیں۔ اور جب تم بات کہو تو عدل وانصاف
سے کام لو خواہ معاملہ رشتہ دار ہی کا کیوں نہ ہو۔ اور
اللہ سے ٹھہرائے ہوئے عہد کو پورا کرو۔ یہ ہے
جس کی اس نے تم کو تلقین کی ہے تاکہ تم یاددہانی
حاصل کرو۔

عدل وانصاف

معلوم ہے کہ اسلام پوری انسانی زندگی میں کسی تحدید وتخصیص کے بغیر عدل وانصاف کا علمبردار

ہے ظلم و ناانصافی کی ہر صورت کو وہ ناپسند کرتا ہے اور اپنے ماننے والوں کو تاکید کرتا ہے کہ انفرادی و اجتماعی کے تمام معاملات میں وہ انصاف کی روش پر قائم رہیں۔ اور ان کا کوئی قدم اس سے ہٹ کر نہ اٹھنے پائے۔ مکہ کے اندر قرآن نے اسلام کے اس حکم کو ایک سے زائد بار دہرایا ہے۔ سورۂ نحل کی آیت کریمہ کو قرآن کی جامع ترین آیت قرار دیا گیا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ	ضرور اللہ حکم دیتا ہے عدل و انصاف کا اور احسان
وَاِیْتَآیِٔ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ	کا اور رشتہ دار کو دینے کا اور منع کرتا ہے بے حیائی
الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ یَعِظُکُمْ	و بدکاری اور برائی اور سرکشی سے۔ وہ تم کو نصیحت
لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ ۝ (آیت: ۹۰)	کرتا ہے، تاکہ تم یاددہانی حاصل کرو۔

دوسرے موقعہ پر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرکے ارشاد ہوا:

فَلِذٰلِکَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ کَمَآ	سو اس لیے سو (اے نبیؐ) تم (اختلاف کی راہیں
اُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ اَھْوَآءَھُمْ	نکالنے والوں کو) بلاؤ (سیدھے دین کی طرف) اور
وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنْ	(اس پر) جم جاؤ جیسا کہ تمہیں حکم دیا گیا ہے اور تم
کِتٰبٍ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَکُمْ	ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو اور کہو کہ میں ایمان
	رکھتا ہوں ہر اس کتاب پر جو اللہ نے اتاری ہے
(نحل: ۷۶)	اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے درمیان عدل و
	انصاف سے کام لوں۔

ظلم کا مقابلہ

زمین میں عدل و انصاف کے قیام کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا تا آنکہ اس پر سے ہر طرح کی ناانصافی اور ظلم و زیادتی کا خاتمہ عمل میں آئے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لائیں وہ زیادتیوں اور ناانصافیوں کے مقابلہ میں مضبوط چٹان بن کر کھڑے ہو جائیں۔ مکہ کے اندر مسلمانوں کو یہ تعلیم دی جا چکی تھی۔ اور اسے 'ایمان اور عمل صالح' کا ناگزیر جزء قرار دیا گیا۔ اس کو اللہ کے ذکر کے دائمی عمل کے ساتھ جوڑ کر بیان کیا گیا جس سے قرآن کی نظر میں اس کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ	سوائے ان کے جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں
وَذَکَرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا وَّانْتَصَرُوْا	اور اللہ کو یاد کریں بہت زیادہ اور وہ مقابلہ

مِنۢ بَعۡدِ مَا ظُلِمُوۡا ؕ وَ سَیَعۡلَمُ	کے لیے سینہ سپر ہو جائیں اس کے پیچھے کہ انھیں
الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَیَّ مُنۡقَلَبٍ	ظلم کا نشانہ بنایا گیا۔ اور ضرور جلد پتہ لگ جائے گا
یَّنۡقَلِبُوۡنَ ۝	ان لوگوں کو جنھوں نے ظلم کی راہ اپنائی کہ وہ کیسی
(شعراء: ۲۲۷)	پلٹیاں کھاتے ہیں۔

دوسرے موقع پر اس کی مزید تفصیل کی گئی اور اسے مسلمانوں کے ناگزیر وصف کی حیثیت سے بیان کیا گیا۔ اور آخر میں صراحت کر دی گئی کہ ظالم کے خلاف سینہ سپر ہونا شریعت کے عین منشا کے مطابق ہے۔

وَ الَّذِیۡنَ اِذَاۤ اَصَابَہُمُ الۡبَغۡیُ ہُمۡ	اور وہ کہ جب انھیں بغاوت و سرکشی کا سامنا
یَنۡتَصِرُوۡنَ ۝ وَ جَزٰٓؤُا سَیِّئَۃٍ	ہو تو اس کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے ہیں۔ اور برائی کا بدلہ
سَیِّئَۃٌ مِّثۡلُہَا ۚ فَمَنۡ عَفَا وَ اَصۡلَحَ	برائی کے بقدر ہی ہے۔ سو جو کوئی معاف کر دے
فَاَجۡرُہٗ عَلَی اللّٰہِ ؕ اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ	اور اصلاح حال کی روش اپنائے تو اس کا بدلہ
الظّٰلِمِیۡنَ ۝ وَ لَمَنِ انۡتَصَرَ بَعۡدَ	اللہ پر ہے۔ ضرور وہ ظلم کرنے والوں کو پسند
ظُلۡمِہٖ فَاُولٰٓئِکَ مَا عَلَیۡہِمۡ مِّنۡ	نہیں کرتا۔ ہاں جو اپنے پر ظلم و ستم کے پیچھے انتقام
سَبِیۡلٍ ۝	لیں تو یہ لوگ ہیں کہ ان پر زجر و توبیخ کا کوئی موقع
(شوریٰ: ۳۹-۴۱)	نہیں ہے۔

عہد و امانت اور شہادت کا پاس و لحاظ

عہد و پیمان کا پاس و لحاظ اور پوری زندگی میں امانت و دیانت کی روش اختیار کرنا ایک وسیع عمل ہے۔ انفرادی و اجتماعی زندگی کے جملہ معاملات میں انسان خدا اور بندوں کو گواہ بنا کر جو عہد و پیمان باندھے، اس کی پوری پوری حفاظت کرے، اسی طرح وہ جس رتبے اور جس حیثیت کا ہو، اور اس کی نسبت سے اس کے پاس خدا اور بندگان خدا کی طرف سے جو امانتیں بھی سپرد کی جائیں، وہ ان کی حفاظت کرنے والا اور ان کا ٹھیک ٹھیک حق ادا کرنے والا ہو، زندگی کے اندر یہ بات پیدا ہو جائے تو پورا انسانی معاشرہ امن و اطمینان کا گہوارہ بن جائے۔ خاص طور پر آج کی خیانت و بدعہدی کی ماری ہوئی دنیا کے تو دن لوٹ آئیں۔ مکہ کے اندر اہل ایمان بندوں کو یہ تلقین کی گئی کہ اپنے کو ان اوصاف عالیہ سے آراستہ کریں اور ان کی ایک نمایاں خوبی یہ ہو کہ :۔

وَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ لِاَمٰنٰتِہِمۡ وَ	اور وہ جو اپنی (ہر طرح کی) امانتوں اور اپنے (تمام طرح کے)

عَهۡدِهِمۡ رٰعُوۡنَ ۝ (مومنون:٨)　　عہد و پیمان کا پاس ولحاظ رکھنے والے ہیں۔

اسی طرح کی دوسری چیز 'شہادت اور گواہی' ہے جس سے انتہائی وسیع پیمانے پر بندگانِ خدا کے حقوق وابستہ ہیں۔ معاشرہ کے اندر کسی بھی انسان کو عدل وانصاف ملنے کی ایک ہی صورت ہے کہ جن لوگوں کے پاس شہادت اور گواہی کی امانت ہے وہ اسے ہر قیمت پر ٹھیک ٹھیک ادا کریں، اور اس کے سلسلے میں کسی قسم کی خیانت اور جانب داری اور طرف داری سے دامن کش رہیں۔ ورنہ اگر گواہیاں مشتبہ اور مشکوک ہوجائیں اور ان کے سلسلے میں حق وانصاف کی امان اٹھ جائے، جیسا کہ آج ہمارے زمانہ کا عام چلن ہے، تو عدلیہ کا پورا نظام اپنی جگہ دھرا کا رہ جائے، قانون کے پلندے اپنی معنویت یکسر کھو بیٹھیں اور پورا سماج مظالم اور ناانصافیوں سے کراہنے لگے مکی زندگی ہی میں مسلمانوں کو اس اعلیٰ وصف سے بھی آراستگی کی ضمانت دے دی گئی تھی۔ دوسرے موقعہ پر اہل ایمان بندوں کے مذکورہ وصف پر اضافہ کرتے ہوئے فرمایا:

وَالَّذِيۡنَ هُمۡ لِاَمٰنٰتِهِمۡ وَعَهۡدِهِمۡ　　اور وہ جو اپنی (ہر طرح کی) امانتوں اور اپنے (ہر
رٰعُوۡنَ ۝ وَالَّذِيۡنَ هُمۡ بِشَهٰدٰتِهِمۡ　　طرح کے) عہد و پیمان کا پاس ولحاظ رکھنے والے
قَآئِمُوۡنَ ۝　　ہیں۔ اور وہ جو اپنی گواہیوں پر ثابت قدم رہنے
(معارج: ٣٢-٣٣)　　والے ہیں۔

ناپ تول کی درستگی

کسی بھی معاشرے کے عدل وانصاف کی روش پر عمل پیرا ہونے اور ظلم وناانصافی سے پاک ہونے کا اہم ترین پیمانہ ہے کہ اس کے ہاں خرید و فروخت میں ناپ تول کے پیمانے درست ہوں۔ یہ وہ پیمانہ ہے جو ٹھیک ٹھیک بتا دیتا ہے کہ سماج کے اندر حق وانصاف کا کیسا کچھ چلن ہے، اور اگر اس کے اندر بگاڑ اور فساد ہے تو وہ کس درجہ اور کس نوعیت کا ہے۔ ناپ تول کا عمل افراد کا نجی معاملہ نہیں بلکہ اجتماعی زندگی کا وہ تھرمامیٹر ہے جو صاف طور پر پتہ دیتا ہے کہ اس سے وابستہ افراد اخلاقی امراض کا کس درجہ شکار ہیں اور فکری اور عملی بیماری یا صحت کے لحاظ سے انھیں کس درجہ پر رکھا جانا چاہیے۔ یقیناً جو سماج روپئے دو روپئے کی چیزوں میں امانت و دیانت کے تقاضوں کو پورا کرنے سے قاصر ہو، اس سے زندگی کے دوسرے اہم اور بڑے معاملات میں اس طرح کی کوئی توقع وابستہ نہیں کی جاسکتی۔ معیشت کو آج کی متمدن دنیا میں کسی بھی حکومت کی ریڑھ کی ہڈی کہا جاتا ہے۔ جس کے مضبوط اور صحت مند ہونے کی واحد علامت اس کے بازار (MARKET) کے ناپ تول کی درستگی ہے۔ قرآن نے اپنے ماننے

والوں کو مکہ کی زندگی ہی میں اجتماعیت کے اس اہم نکتے سے واقف کرادیا تھا۔ ناپ تول میں کمی کرنے والوں کو دنیا و آخرت کی تباہی کا مستحق گردانا گیا:

وَيۡلٌ لِّلۡمُطَفِّفِيۡنَ ۝ الَّذِيۡنَ اِذَا	تباہی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے
اكۡتَالُوۡا عَلَى النَّاسِ يَسۡتَوۡفُوۡنَ ۝	وہ کہ جب وہ لوگوں سے ناپ کریں تو پورا پورا
وَاِذَا كَالُوۡهُمۡ اَوْ وَّزَنُوۡهُمۡ	لیں۔ اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیں تو کم کر دیں۔
يُخۡسِرُوۡنَ ۝ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ	کیا یہ لوگ خیال نہیں کرتے کہ یہ اٹھائے جائیں گے
اَنَّهُمۡ مَّبۡعُوۡثُوۡنَ ۝ لِيَوۡمٍ عَظِيۡمٍ ۝	ایک بڑے دن کے لیے۔ جس دن کہ لوگ رب
يَّوۡمَ يَقُوۡمُ النَّاسُ لِرَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۝	العالمین کے لیے اٹھ کھڑے ہوں گے۔

(مطففین: ۱-۶)

سورۂ رحمٰن کو مصحف کے بعض نسخوں میں 'مدنی' لکھا ہے۔ لیکن صاحب جلالین نے صراحت کی ہے کہ یہ سورہ مکی ہے[1]۔ اس کے اندر نظام کائنات میں قائم میزان عدل کا حوالہ دے کر، تول کی ترازو کو ٹھیک ٹھیک قائم رکھنے کی تاکید کی:

وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الۡمِيۡزَانَ ۝	اور آسمان کو اس (رحمٰن) نے بلند کیا اور اس
اَلَّا تَطۡغَوۡا فِى الۡمِيۡزَانِ ۝ وَاَقِيۡمُوا	کے لیے میزان (عدل) ٹھہرائی۔ تاکہ (اسی
الۡوَزۡنَ بِالۡقِسۡطِ وَلَا تُخۡسِرُوا	کے مطابق) تم بھی میزان میں سرکشی نہ کرو۔ اور تول
الۡمِيۡزَانَ ۝	کو ٹھیک ٹھیک رکھو انصاف سے۔ اور ترازو
(آیات: ۷-۹)	میں ڈنڈی نہ مارو۔

---

[1] تفسیر الجلالین /۷۰۸ طبع جدید۔ البتہ اس کی ایک آیت ۲۹ کو موصوف نے مدنی بتایا ہے۔ لیکن حضرت جابر کی اس روایت سے اس کی تردید ہو جاتی ہے جس میں ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بعض صحابہ کے پاس تشریف لائے اور ان کے سامنے پوری سورۂ رحمٰن شروع سے آخر تک پڑھی 'فقرأ علیهم سورة الرحمٰن من أولها الی آخرها'۔ جس پر ان کی مسلسل خاموشی پر آپؐ نے جنوں کا حوالہ دیا کہ جب میں نے ان کے سامنے یہ سورہ پڑھی تو 'فبأی آلاء ربکما تکذبان' کے ہر ٹکڑے پر ان کی زبان سے بے ساختہ یہ الفاظ نکلے کہ 'پروردگار ہم تیری کسی نعمت کا انکار نہیں کرتے، سو تمام تعریف تیرے لیے ہے'۔ الخ تفسیر ابن کثیر: ۴/۲۶۹ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورہ مکہ میں بیک دفعہ نازل ہوئی اور اسی طرح اس کی تلاوت کی جاتی رہی۔

اس کے علاوہ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو ناپ تول میں کمی کے اس اجتماعی مرض سے دور رہنے کا حکم دیا۔ سورۂ اعراف اور سورۂ شعراءؑ میں آپ کی یہ دعوت تفصیل سے مذکور ہے[1] جبکہ یہ دونوں ہی سورتیں مکی ہیں۔

غلاموں کی آزادی

کمزور اور دبے ہوئے طبقات کی حالت کو بہتر بنانے کا آج کے زمانہ میں کیسا کچھ چرچا ہے۔ اسی کے اثر سے غریبی اور فقر و فاقہ کے ازالہ اور بلالحاظ رنگ و نسل سماج کے طبقات کو آزادی و مساوات کے حقوق کی فراہمی کا نعرہ، دنیا کے ہر خطے اور علاقے سے بلند ہو رہا ہے۔ اور اس کے لیے حکومت و سیاست کے ایوانوں سے جنگی سطح پر کوششیں کی جا رہی ہیں۔ پوری انسانی تاریخ میں غلاموں سے بڑھ کر انسانیت کا کوئی طبقہ پچھڑا اور دبا ہوا نہیں رہا جس کی گردن کو اس لعنت سے آزاد کرانے کی خاطر زیادہ نہیں ابھی پچاس برس پہلے دنیا کے سب سے بڑے اجتماعی ادارہ 'لیگ آف نیشنز' کی طرف سے 'غلامی کے خاتمہ' کی قرار دادوں پر قرار دادیں منظور کی گئیں۔ اسلام کے دستور اساسی ــ قرآن ــ نے اپنی تاریخ کے مکی دور کے ابتدائی ایام ہی میں اس پسماندہ طبقہ انسانیت کی آزادی کی تحریک کا آغاز کر دیا تھا۔ سورۂ بلد قرآن کی اولین ابتدائی مکی سورتوں میں سے ہے، جس کے اندر 'غلام کی آزادی' کے اس حکم کو یتیموں اور مسکینوں کی خبر گیری کے ساتھ جوڑ کر بیان کیا۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ عمل کتنا محبوب ہے۔

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۝ وَمَآ اَدْرٰكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝ فَكُّ رَقَبَةٍ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۝ (آیات: ۱۱-۱۶)	سو اس نے گھاٹی میں قدم نہ رکھا۔ اور تمہیں کیا معلوم کہ گھاٹی کیا ہے۔ یہ گردن کا چھڑانا (غلام کا آزاد کرنا) ہے۔ اور بھوک کے دن میں کھانا کھلانا یتیم کو جو رشتہ دار ہے اور مسکین کو جو زمین سے لگا پڑا ہے۔

قتل اولاد کی ممانعت

مختلف سن و سال کے لوگوں کے مفادات کی حفاظت اور ان کے حقوق کی رعایت و نگہداشت

---

[1] اعراف: ۸۵، شعراء: ۱۸۱-۱۸۳

کا جیسا کچھ چرچا اس زمانہ میں ہے، شاید ہی اس سے پہلے کبھی رہا ہو۔ اسی نسبت سے مختلف عمر کے لوگوں کے لیے الگ الگ سال منائے جاتے ہیں۔ عورتوں اور بچوں کا سال منایا جا چکا۔ ہمارے اس سال (۱۹۸۵ء) کو نوجوانوں کا سال کہا جا رہا ہے۔ اسلام سے پہلے عرب کے معاشرے میں مختلف طبقات پر ظلم و ناانصافی کی جو بے شمار صورتیں رائج تھیں، ان کی ایک بدترین صورت 'قتل اولاد' تھی۔ جس کے نتیجے میں والدین بسا اوقات فقر و فاقہ کے ڈر سے اپنے جگر گوشوں کو اپنے ہی ہاتھوں سے موت کی نیند سلا دیتے تھے۔ اس سلسلے کی بدترین صورت وہ تھی جس میں معصوم لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیا جاتا تھا۔ عرب سماج میں مختلف حیثیتوں سے عورت جس ظلم و ستم اور ناانصافیوں کا شکار تھی، معصوم بچیاں اس کا اولین نشانہ تھیں۔ لوٹ مار، جاہل عرب قبائل کا معروف ذریعہ آمدنی تھا۔ زبان آوری، مدح و ہجو اور لسانی مبارزت ان کا امتیازی وطیرہ تھا۔ عورت ان دونوں ہی معاملات میں فطری طور پر مردوں سے پیچھے تھی۔ اس کے علاوہ ان کی جاہلانہ الفت و حمیت کے لیے بڑا بار تھا کہ کوئی ان کا داماد بنے اور انھیں خسر بننے کی ذلت سے دوچار ہونا پڑے۔ ان گوناں گوں اسباب سے ان کے لئے بیچاری لڑکی ایک ایسا بوجھ تھی، جس کا اٹھانا کسی طرح انھیں گوارہ نہ تھا۔ اس صورت حال نے ان کی سخت دلی اور قساوت قلبی کو اس درجہ بڑھا دیا تھا کہ وہ اپنی ان معصوم ننھے لئے جگر کو زندہ درگور کرنے میں بھی کچھ تامل نہ کرتے تھے۔ آج کے دور میں اگر بچوں کی خوراک، ان کی عمدہ صحت اور مناسب تعلیم و تربیت، اجتماعیت کا اہم ترین مسئلہ ہے جس کے لیے حکومت کے ادارے براہ راست حرکت میں آتے، بلکہ اس سے بڑھ کر بین الاقوامی سطح پر یہ چیزیں معرض بحث میں لائی جائیں اور ان کے لئے بین الملی سطح پر کوششیں کی جاتی ہیں۔ تو پھر بھلا اس محروم اور دوسروں کے رحم و کرم پر منحصر طبقۂ انسانیت کے حق زیست کی بحالی کو مدنیت و اجتماعیت کے مسائل میں سرفہرست کیوں نہ رکھا جائے گا۔ یہ مکہ ہی کی سنگلاخ سرزمین تھی جس میں قرآن نے ظلم و استبداد کی اس بدترین صورت کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی۔ اس نے 'قتل اولاد' سے مطلقاً منع کیا ہے۔ لڑکیوں کے زندہ درگور کرنے کے خلاف اس نے یہ تہدید کی:

وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ۝ بِاَيِّ	اور جب زندہ درگور کی جانے والی سے پوچھا
ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ۝ (تکویر: ۸-۹)	جائے گا۔ کس گناہ پر اسے جان سے مارا گیا۔

کمزور طبقات کی رعایت

سماج کے غریب، کمزور، مجبور و معذور (DISABLED) عناصر کی فلاح و بہبود کا بھی اس

زمانہ میں بڑا چرچا ہے۔ حکومتوں نے اپنے دستوروں میں اس کی واضح ضمانتیں فراہم کی ہیں۔ کسی بھی ملک کی معاشی پالیسی کا یہ اہم ترین حصہ، بلکہ صحیح تر لفظوں میں اسے پورے ملکی نظام کی ریڑھ کی ہڈی تصور کیا جاتا ہے۔ فلاحی ریاست کے مطلوبہ تصور کا یہ ناگزیر حصہ ہے۔ اور بڑی حد تک یہی وہ چیز ہے جسے کسی حکومت کی کامیابی وناکامی کا سب سے بڑا پیمانہ تصور کیا جاتا ہے۔ اسی کے نام پر جمہوری حکومتیں ملکی عوام کو اپنے اعتماد میں لیتی ہیں، آمریت وملوکیت کی نمائندہ حکومتوں کی پالیسی اور پروگراموں میں بھی اسے سرفہرست رکھا جاتا ہے۔ عملی طور پر اس میں کامیابی کس حد تک ہوتی ہے، یہ بات اپنی جگہ، لیکن نظری طور پر زندگی کے اجتماعی امور و مسائل میں اس کی اہمیت و اقدمیت آج کے دور میں مسلم ہے۔ اسلام کی تاریخ میں، آج سے چودہ سو سال پہلے، مکہ کے اندر دعوت اسلامی کے بالکل ابتدائی مراحل میں، کمزور طبقات کی ہمہ جہتی فلاح کو آج کے مقابلہ میں بھی بڑھ چڑھ کر اہمیت دی گئی۔ معاشی کفالت کے ساتھ، سماجی سطح پر ان کی ہر طرح سے خبر گیری اور ان کے جملہ حقوق کی رعایت و تحفظ کو، اسلام کے ماننے والوں کی دنیا ہی نہیں، آخرت کی فلاح سے براہ راست وابستہ کر دیا گیا۔

عم پارے کی سورتیں عام طور پر مکی دور کے بالکل ابتدائی زمانہ کی ہیں۔ ان کے اندر ہمیں یہ مضمون کافی ابھرا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ اور کمزوروں اور ناداروں کی نسبت سے اصولی طور پر ان میں وہ پوری بات کہہ دی گئی ہے، جس کی بعد میں مدنی سورتوں میں تکمیل ہوئی۔ اس مرحلہ میں قرآن نے دین کی حقیقت ہی یہ بتائی کہ آدمی اللہ سے ڈر کر رہے، غیب کی حقیقتوں پر ایمان لائے اور مستحق بندگان خدا پر اپنا مال خرچ کرے:

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۝ وَصَدَّقَ
بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ۝
(لیل: ۵-۷)

سو جو کوئی (مال) دے اور (اللہ سے) ڈرے اور
(غیب کی) بھلی باتوں کی تصدیق کرے تو ہم آسانی
کے انجام کے لیے اس کی راہ آسان کر دیں گے۔

آگے متقی بندے کی پہچان ہی یہ بتائی کہ وہ دنیا کی محبت اور طبعی حرص وآز کی آلائش سے اپنے کو پاک وصاف کرنے کے لیے غریبوں، کمزوروں پر اپنا مال خرچ کرے:

وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ۝ الَّذِيْ يُؤْتِيْ
مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ۝
(آیات: ۱۷-۱۸)

اور ضرور جلد اس (دوزخ) سے بچا لیا جائے گا
(اللہ سے) بہت ڈر کر رہنے والا جو اپنا مال خرچ
کرتا ہے اپنے لیے پاکی حاصل کرنے کو۔

اس کے برعکس بخل کا راستہ اپنانے اور محض اپنے مفادات کا بندہ بن کر جینے والوں کو قرآن نے خدا کا باغی اور غیب کی حقیقتوں کا منکر بتایا۔ اور اسی کے مطابق انھیں برے انجام کی وعید سنائی:

وَاَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰی ۝ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰی ۝ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰی ۝ (لیل: ۸-۱۰)

اور رہا وہ جو بخل کرے اور (اللہ سے) بے نیازی دکھائے اور (غیب کی) بھلی باتوں کو جھٹلائے تو ہم ضرور جلد اس کا تنگی کے انجام کے لیے راستہ آسان کردیں گے۔

بہت سے لوگ اپنے مزاج اور طبیعت سے صرف اپنی ذات کے لیے جینے کے عادی نہیں ہوتے۔ کمزور اور غریب انسانوں پر مال خرچ کرنا ان کی عادت ثانیہ ہوتی ہے۔ قرآن نے کہا کہ صرف اس عمل سے اس حکم خداوندی کی تکمیل نہیں ہوسکتی۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ خدا سے صحیح تعلق استوار کرکے، پوری انسانی برادری کو خدا کا کنبہ سمجھتے ہوئے، بالکل بے لاگ طریقے پر اس کی رضا اور خوشنودی کی خاطر، کمزور بندگانِ خدا کے کام آیا جائے، یہ جذبہ پیدا ہو جائے تو آدمی یتیموں، مسکینوں کو صرف دینے دلانے ہی پر اکتفا نہیں کرے گا۔ بلکہ انھیں اپنے برابر کا انسان سمجھ کر معاملہ کرے گا۔ اور ان کے ساتھ عزت و تکریم کا وہ رویہ اپنا لےگا جس کی دوسری صورت میں توقع نہیں کی جاسکتی۔ پھر یہ کہ وہ اپنے طور پر ان کی خبر گیری کر دینے ہی سے مطمئن نہیں ہوجائے گا، بلکہ ہمہ وقت ان کی حاجت روائی اور فلاح کے لئے فکر مند ہوگا۔ اس کی شبانہ روز زندگی کا معمول ہوگا کہ وہ دوسرے لوگوں کو بھی اس کار خیر کی طرف متوجہ کرے۔ وہ اپنے طور پر ان کی حاجت روائی کا سامان کرے گا ہی، ساتھ ہی اس کے لیے ہر طرح سے رائے عامہ کو ہموار کرنے میں بھی وہ ہر وقت کمربستہ ہوگا۔ عرب کے برخود غلط مال داروں کو جو خدا و آخرت سے غافل تھے قرآن نے جھنجھوڑتے ہوئے کہا:

كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ۝ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝ وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ۝ وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ۝ (فجر: ۱۷-۲۰)

ہرگز نہیں۔ بلکہ تم یتیم کی عزت نہیں کرتے، نہ غریب کے کھانا کھلانے پر ایک دوسرے کو شوق دلاتے ہو۔ اور تم میراث کو کھا جاتے ہو حرام طریقے سے اور مال سے بہت زیادہ محبت کرتے ہو۔

یہاں تک کہ اس مقصد کی خاطر قرآن نے ایک پوری سورہ وقف کردی۔ قرآن نے ایسے شخص کو، جس کے دل میں سماج کے یتیموں اور کمزوروں کے لیے درد نہ اٹھے، حقیقت دین سے غافل اور اس کے اہم ترین رکن 'روز جزا' کا منکر بتایا۔ معلوم ہے کہ عرب کے لوگ، دین براہیمی میں بگاڑ پیدا کرلینے کے باوجود، اس کی دوسری بہت سی چیزوں کی طرح، نماز سے بھی بالکلیہ دستبردار نہیں ہوئے تھے۔ دوسرے موقع پر قرآن نے اس کی صراحت کی ہے۔ (انفال: ۳۵) لیکن روایتی دیندار اور نمازی جن کے ہاں ایسے کمزور بندگانِ خدا کے لیے کام آنے کا کوئی خانہ نہ ہو، قرآن نے انھیں صحیح معنوں میں خدا کی رضا اور اس

کی خوشنودی کی طلب کے جذبہ سے یکسر عاری محض ریاکار اور دکھاوے کا نمازی قرار دیا جو صرف اپنے لیے جینے کے عادی ہوتے ہیں معمولی سے معمولی ذریعہ سے بھی دوسرے انسانوں کے کام آنے میں ان کو تکلیف ہوتی ہے اور دل کسی کے دکھ درد کے احساس وشعور سے بھی عاری ہوتے ہیں:

أَرَءَيْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ بِالدِّينِ ۝	آیا تم نے دیکھا اسے جو روز جزا کا منکر ہے۔
فَذَٰلِكَ الَّذِي يَدُعُّ الْيَتِيمَ ۝ وَ	یہی ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے۔ اور غریب کے
لَا يَحُضُّ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ ۝	کھلانے پر شوق نہیں دلاتا ہے۔ سو تباہی ہے
فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ[1] ۝ الَّذِينَ هُمْ	ان نمازیوں کے لیے جو اپنی نماز سے غافل ہیں۔
عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۝ الَّذِينَ	یہی ہیں جو محض دکھاوے کے لیے یہ کام کرتے
هُمْ يُرَاءُونَ ۝ وَيَمْنَعُونَ	ہیں۔ اور ضرورت کی چھوٹی چھوٹی چیزوں سے
الْمَاعُونَ ۝ (ماعون: ۱-۷)	ہاتھ روکتے ہیں۔

ایک دوسرے موقع پر آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ارشاد ہوا:

فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝ وَأَمَّا	سو رہا یتیم تو اسے نہ ستاؤ اور رہا مانگنے والا تو
السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝ (ضحیٰ: ۹، ۱۰)	اسے نہ جھڑکو۔

دوزخ کا ایندھن بننے والے کافروں کی زبانی بھی اسی حقیقت کا اعلان ہوا۔ مدثر کا یہ مضمون سورۂ ماعون سے کس قدر مشابہ ہے:

مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ ۝ قَالُوا لَمْ	کون سی چیز تمہیں دوزخ میں لے گئی۔ وہ کہیں
نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ ۝ وَلَمْ نَكُ	گے ہم نمازیوں میں سے نہ تھے۔ اور نہ ہم غریب
نُطْعِمُ الْمِسْكِينَ ۝ وَكُنَّا	کو کھانا کھلاتے تھے۔ اور کھیل ٹھٹھے کرنے
نَخُوضُ مَعَ الْخَائِضِينَ ۝ وَكُنَّا	والوں کے ساتھ ہم بھی کھیل ٹھٹھوں میں لگے
نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّينِ ۝ (مدثر: ۴۲-۴۶)	رہتے تھے۔ اور ہم قیامت کے دن کا انکار کرتے

---

[1] نماز میں ریاکاری کے مضمون کو دیکھ کر بہت سے لوگوں نے اس پورے ٹکڑے کو مدنی مان لیا ہے۔ مصحف کے بعض نسخوں میں بھی یہی لکھا ہے اور صاحب جلالین نے بھی ایک روایت اسی کی لکھی ہے۔ تفسیر الجلالین/ ۸۲۳ لیکن جمہور مفسرین کے نزدیک یہ سورہ پوری کی ہے، روح المعانی: تفسیر جزء عم /۲۴۱ جبکہ حافظ ابن کثیر ان آیتوں کا مصداق منافقین کو قرار دیتے ہوئے پوری سورہ کو مکی مانتے ہیں۔ تفسیر ابن کثیر: ۴/۵۵۴، ۵۵۵ صاحب تدبر قرآن بھی اس پوری سورہ کو مکی قرار دیتے ہیں۔ تدبر قرآن: ۸/ ۵۸۱ - ۵۸۶ - مذکورہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سورۂ ذاریات میں اللہ سے ڈر کر رہنے بندوں کے اوصاف میں ان کی شب زندہ داری اور سحر خیزی کے بعد، ان کی نمایاں ترین خوبی یہی بیان ہوئی:

وَفِيٓ أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُومِ ○ (آیت: ۱۹)	اور ان کے مالوں میں متعین حصہ ہے مانگنے والے اور نادار کے لیے۔

سورہ دہر کو مصحف کے کچھ نسخوں میں مدنی لکھا ہے۔ صاحب جلالین نے بھی اسے مکی یا مدنی دونوں لکھ دیا ہے[۱] لیکن جمہور مفسرین کے نزدیک یہ پوری سورہ مکی ہے[۲]۔ اس کے اندر بھی جنت کا انعام پانے والے نیک بندوں کی خصوصیات میں فرمایا ہے:

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ	اور وہ کھانا کھلاتے ہیں اس کی چاہ کے باوجود
مِسْكِينًا وَّيَتِيمًا وَّأَسِيرًا ○ إِنَّمَا	مسکین، یتیم اور قیدی کو۔ ہم تمہیں محض اللہ کی
نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنكُمْ	رضا کی خاطر کھلاتے ہیں۔ ہم تم سے کسی بدلے اور
جَزَآءً وَّلَا شُكُورًا ○ (آیات: ۸-۹)	کسی شکر گزاری کے طالب نہیں ہیں۔

آیت کریمہ میں یتیم کے ساتھ 'قیدی' کا جوڑ بڑا معنی خیز ہے۔ جو اس بات کا صاف اشارہ ہے کہ بہت جلد کفار و مشرکین میدان جنگ میں شکست کھا کر تمہارے ہاتھ قید ہوں گے۔ اور یتیموں اور کمزوروں کی طرح یہ بھی اسی طرح تمہاری ہمدردی کے مستحق ہوں گے[۳]

(بقیہ گذشتہ حاشیہ) منافقین کا اشکال اس تفسیر سے خود بخود ختم ہو جاتا ہے۔ جیسے ہم نے اوپر اختیار کیا ہے۔ دوسرے مفسرین کے اقوال کی یہ توجیہ کی جا سکتی ہے کہ مدنی دور کے منافقین پر بھی اس کا اطلاق اسی طرح ہوتا ہے۔ ورنہ قرآن کی مکی سورتوں کا دامن اتنا تنگ نہیں ہے۔ [۱] تفسیر جلالین / ۷۸۱ - طبع جدید

[۲] روح المعانی: ۲۹/ ۱۵۰۔ حافظ ابن کثیر بھی اس سورہ کو مکی مانتے ہیں۔ تفسیر ابن کثیر: ۴/ ۴۵۲۔ صاحب تدبر قرآن بھی اس پوری سورہ کو مکی بتاتے ہیں۔ اور ان لوگوں کی تردید کی ہے جو اس پوری سورہ یا اس کی کچھ آیتوں کو مدنی قرار دیتے ہیں۔ تدبر قرآن، ۸/ ۹۹ - طبع اول۔

[۳] مکی سورتوں میں غالباً قیدی کے مضمون کے اشکال سے بچنے کے لیے کچھ بزرگوں نے یہاں اسیر سے مراد غلام لیے ہیں۔ تفسیر ابن کثیر: ۴/ ۴۵۵ لیکن یہ بات کچھ زیادہ وزن دار نہیں معلوم ہوتی۔ 'اسیر' کے عام اور معروف معنی 'قیدی' ہی کے ہیں۔ قرآن کے نظائر سے بھی اسی کی تصدیق ہوتی ہے۔ وَإِن يَأْتُوكُمْ أُسَارَىٰ تُفَادُوهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ إِخْرَاجُهُمْ (بقرہ: ۸۵) اور زیادہ تر بزرگوں نے اس کے یہی معنی مراد بھی لیے ہیں، الکشاف: ۲/ ۱۵۵۹۔ ۱۵۶۰، روح المعانی: ۲۹/ ۱۵۵ - ۱۵۶ - وغیرہ۔